مذہب شیعہ ایک نظر میں

آیۃ اللہ العظمیٰ سید العلماء سید علی نقی نقوی طاب ثراہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ۔

شیعیت کیا ہے؟

دین اسلام کو اس کے تمام نظری (Theoretical) اور عملی (Practical) تقاضوں کے ساتھ اختیار کرنا۔

اسلام کے معنی ایک ''سر نہادن بطاعت'' (Submission to obedience) کے ہیں اور دوسرے ''سپردن'' (To surrender) — یہ دونوں باتیں کس کے لئے؟ اللہ کے لئے۔ اسی کو دوسری لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ حکومت الٰہیہ کو اس کے پورے تقاضوں کے ساتھ تسلیم کرنا جس کے لئے حاکم اور اس کے مرتب کردہ نظام کی معرفت ضروری ہے۔ یہ ''اصول دین'' ہیں۔ اور پھر اس نظام کے قواعد وضوابط کو معلوم کرکے ان پر عمل ہے۔ یہ پابندی شریعت ہے جس کے خاص ارکان کو ''فروعِ دین'' کہتے ہیں۔

یہ عقائد وہ ہیں جو عمل کا احساس پیدا کرتے ہیں اور اعمال وہ ہیں جو عقیدہ پر جلا کرتے ہیں۔

جامع لفظ سے تعبیر کرنا چاہیں تو برابر کے دو جزء ہیں۔ ''حق شناسی'' و ''فرض شناسی''۔ اسی کو وسعت دی جائے تو عقائد واعمال کی پوری دنیا آجائے اور انہی کے ماننے اور برتنے کا نام ہوگا ''حقیقی اسلام'' اور ''شیعیت'' جس کی تفصیل مجمل طور پر یہ ہے:-

اصول دین

(۱) توحید (۲) عدل (۳) نبوّت (۴) امامت (۵) معاد

اب ان میں سے ہر ایک کی کسی حد تک تشریح پر نظر ڈالئے۔

توحید

یہ ایک جامع عنوان ہے جس کے تحت میں حسبِ ذیل حقیقتیں مضمر ہیں:-

(۱) حدوثِ عالم— یعنی دنیا اور اس کی ہر چیز نابود تھی۔ ہوا، پانی، آگ، زمین، چاند، سورج اور سیارے، کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو ہمیشہ موجود ہو اور وہ چھوٹے چھوٹے ذرّے بھی جن سے اس تمام دنیا میں مختلف شکلیں نمودار ہوتی ہیں وہ بھی قدیم یعنی ہمیشہ سے موجود نہیں ہو سکتے، اس لئے کہ ان میں حرکت موجود ہے اور حرکت کا ہونا خود زوال اور تغیر کی نشانی ہے۔

(۲) خالق کا وجود— جب یہ تمام کائنات ہمیشہ سے وجود نہیں رکھتی تو ضرور اس کا کوئی وجود میں لانے والا ہے، اسی کو خالق کہتے ہیں۔

(۳) خالقِ کل— جو ہے وہ سراسر ''ہستی'' ہے اس لئے ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر وہ بھی اسی دنیا کا جزء ہو اور اس کے واسطے بھی کسی پیدا کرنے والے کی ضرورت ہو۔

(۴) خالق نے اس دنیا کو ارادہ واختیار کے ساتھ پیدا کیا ہے اس لئے کہ اس کی پیدا کی ہوئی مخلوق میں حکمتیں اور مصلحتیں مضمر ہیں اور ایک خاص انتظام نظر آتا ہے جو کسی بے شعور اور بے حس قوت کا نتیجہ نہیں ہو سکتا۔

(۵) کمال ذات مستغنی از صفات— یعنی خدا کو سراسر ''ہستی'' (Being) ماننے ہی کا نتیجہ ہے کہ اس کی ذات ہر حیثیت سے کامل ہو کیونکہ نقائص اور خرابیاں سب ''نیستی'' کے پہلو

سے پیدا ہوتی ہیں اور خدا کی ذات میں نیستی کا گزر نہیں۔ تمام صفات ثبوتیہ وسلبیہ کا خلاصہ اتنا ہی ہے، نہ یہ کہ اس میں علاوہ ذات کے کوصفتیں ہوں اور خدا ذات اور صفات کے مجموعہ کا نام ہو جس طرح عیسائی اسے ایک ہوتے ہوئے تین مانتے ہیں۔ یہ تصور، توحید خالق کے خلاف ہے اور تعلیم اہلبیتؑ کے لحاظ سے درست نہیں ہے۔

(۲) کمالِ ذات کے تقاضے جنھیں صفات ثبوتیہ کہا جاتا ہے،

۱۔**قدیم** یعنی ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔ یہ کوئی اس کی ذات سے جداگانہ صفت نہیں ہے بلکہ اس کے سراسر ''ہستی'' (Being) ہونے ہی کا تقاضا ہے کہ وہ ''واجب الوجود'' ہو یعنی اس کی ذات کے لئے 'نیستی' (Non-Existence) ممکن ہی نہ ہو اور جو واجب الوجود ہو وہ ضرور اصطلاحی معنی کے لحاظ سے ''قدیم'' ہی کی لفظ سے یاد کیا جائے گا کیونکہ ''حادث'' تو وہ ہوتا ہے جو ''نیستی'' کے بعد ''ہست'' (Exist) ہوا ہو اور یہ وہی ہوگا جس کی ذات سے ''ہستی'' الگ ہو مگر جہاں ''ہستی'' ذات سے جدا ہو ہی نہ، اس میں نیستی کا شائبہ کہاں ممکن ہے لہٰذا اسے یہی ماننا پڑے گا کہ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گا۔

۲۔**قادر** یعنی ہر چیز پر قابو رکھتا ہے اور کسی امر میں بے بس نہیں کیونکہ عاجزی نقص ہے اور قدرت کمال اور یہ بات معلوم ہو چکی کہ اس کی ذات کامل ہی کامل ہے، ناقص نہیں ہے۔

بے شک محال یعنی غیر ممکن چیزوں میں یہ صلاحیت نہیں ہے کہ ان سے خدا کی قدرت کا تعلق ہو لیکن اس سے خدا کی ذات میں کوئی نقص لازم نہیں آتا۔

۳۔**عالم** یعنی وہ ہر شے کا جاننے والا ہے اس لئے کہ جہالت نقص ہے اور خدا کی ذات ہر نقص سے بری ہے۔

چھوٹی سے چھوٹی چیز اور چھوٹی سے چھوٹی بات ہر ایک خداوندِ عالم کے علم میں ہے۔ یہی مطلب ہے اس کا کہ وہ حاضر و ناظر ہے۔ اس کے علم میں کبھی تغیر نہیں ہوتا اور یہ ممکن نہیں کہ وہ کسی امر کے پہلے نہ جانتا ہو، پھر اس سے واقف ہو اور اس لئے اس کے افعال میں ندامت اور پشیمانی کا گزر نہیں ہے۔

۴۔وہ قدرت اور علم کا مالک ہے۔ اسی اعتبار سے کہا جاتا ہے کہ وہ زندہ ہے۔

۵۔اس کے صفات ثبوتیہ میں **مدرِک** ہونا بھی ہے۔ اس کے معنی صحیح طور پر یہی ہیں کہ وہ تمام چیزوں کا جو احساس (Senses) سے متعلق ہیں، جاننے والا ہے۔ جس طرح مسموعات یعنی آوازوں کے جاننے کی بناء پر سمیع اور مُبصَرات یعنی دیکھنے کی چیزوں کو جاننے سے بصیر ہے۔ یہ عالم ہونے کے مفہوم کے شعبے ہیں۔ الگ الگ صفتیں نہیں ہیں۔ نہ یہ سمجھنا صحیح ہے کہ خدا کے جسمانی طور پر آنکھ اور کان ہیں جن سے وہ دیکھتا اور سنتا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں ہے۔

۶۔قدرت کو علم مصالح کے مطابق صرف کرنے کی بناء پر وہ مُرید (Willful) ہے یعنی ارادہ کے ساتھ جو چاہتا ہے کرتا ہے اور کارہ ہے یعنی جو نہیں چاہتا نہیں کرتا۔

۷۔اس کے متکلم ہونے کے یہ معنی نہیں کہ وہ زبان و دہن سے کلام کرتا ہو بلکہ اپنی قدرت سے اپنے علم کے مطابق جب چاہتا ہے اپنی طرف نسبت کے ساتھ کلام پیدا کر دیتا ہے۔

۸۔**نقائص سے کلیۃً بری ہونا**۔ اس کے تحت میں جو کچھ باتیں آئیں انھیں صفات سلبیہ سمجھنا چاہئے۔ اس میں چند باتیں جو خصوصیت کے ساتھ سمجھنے کی ہیں حسب ذیل ہیں:

۱۔**خدا کا کوئی شریک نہیں**۔ یہ اصل توحید ہے، اس کا ثبوت اسی سے ظاہر ہے کہ خدا کامل ''وجود'' ہے۔ اگر اس کے ساتھ دوسرے کی ضرورت ہو تو وہ کامل نہ رہے گا، ناقص ہو جائے گا۔

اسے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ دو کی طاقت کا مجموعہ ایک سے زیادہ نہیں ہے تو دوسرا بیکار محض ہے اور اگر زیادہ ہے تو ہر ایک ناقص اور محدود ہے اور خدائی کے قابل نہیں ہے۔

۲۔**خدا مرکّب (Compound) نہیں ہے** یعنی اس کے اجزاء (Components) نہیں پائے جاتے کیونکہ اس صورت میں وہ ان اجزاء کا محتاج ہوگا اور اجزاء اس سے مقدم ہوں گے۔

لہٰذا وہ سب کا پیدا کرنے والا نہیں قرار پاسکے گا۔

۳۔خدا جسمیّت نہیں رکھتا کیونکہ ہر جسم کا مرکب ہونا ضروری ہے اور یہ معلوم ہو چکا کہ خدا مرکب نہیں ہے۔

۴۔خدا کسی مکان اور سمت میں نہیں ہے کیونکہ اس صورت میں وہ محدود (Limited) ہوجائے گا اور محتاج (Needy) قرار پائے گا اور اس کی ذات پابندی (Binding) واحتیاج (Need) سے بری ہے۔

۵۔حلول واتحاد نہیں ہوسکتا۔اس کے معنی یہ ہیں کہ ایک چیز دوسرے میں ہوکر پائی جائے اس طرح کہ اس کی صفت بن جائے جیسے رنگ وبو پھول میں یا دو چیزیں اس طرح ایک ہوجائیں کہ ایک کی طرف اشارہ عین دوسرے کی طرف اشارہ قرار پائے۔ خدا کی ذات اس سے بالکل بری ہے کیونکہ اس صورت میں وہ محتاج اور محدود ہوجائے گا اور ناقص کے ساتھ یکساں بلکہ ایک ہوکر خود بھی ناقص ہوجائے گا۔

۶۔وہ مَرئی نہیں ہے۔یعنی آنکھوں سے دیکھنا اس کو غیر ممکن ہے کیونکہ آنکھوں سے وہی چیز دیکھی جاتی ہے جو سامنے ہو اور رنگ، شکل رکھنے والا جسم ہو۔

خدا نہ جسم ہے، نہ رنگ وشکل رکھتا ہے۔ نہ کسی خاص سمت میں محدود ہے اس لئے اس کے دیدار کا اعتقاد صحیح نہیں ہے۔

۷۔اس کی ذات میں تغیرات کا ہونا اور حالتوں میں تبدیلی پیدا ہونا ممکن نہیں ہے کیونکہ یہ پیدا ہونے والی حالت اگر کمال ہے تو اس کی ذات سے جدا نہیں ہے اس لئے ہمیشہ سے یہ کمال ثابت ہوگا اور اگر کمال نہیں ہے تو اس کی ذات سے اس کا تعلق نہیں ہوسکتا۔

بے شک اس کے افعال دنیا میں مصالح کے مطابق مختلف صورتوں سے ظاہر ہوتے رہتے ہیں اور مصلحتوں کی تبدیلی سے ان میں تبدیلیاں بھی ہوتی ہیں۔ انہی کو ''بدا'' کہا جاتا ہے۔لیکن ان تمام تبدیلیوں کا علم اس کو ہمیشہ سے ہوتا ہے اس لئے نہ وہ علم کے تغیر کا سبب ہیں اور نہ پشیمانی وندامت کا نتیجہ۔

۸۔خدا کی ذات کے علاوہ صفتیں نہیں ہیں اس لئے کہ اگر خدا کی صفتیں ذات کے علاوہ ہوں تو خود ذات کمال سے خالی ہوگی اور صفتوں کی محتاج ہوگی۔ پھر اس کو ان صفتوں سے متصف (Characterized) ہونے کے لئے کسی دوسرے سبب کی ضرورت ہوگی تو خدا کی ہستی اپنے کمال میں غیر کی محتاج ہوجائے گی اور اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ غیر اس سے مقدم ہوگا اس طرح توحید کا جو اصل اصول ہے قلع قمع ہوجائے گا۔

عدل

خدا کے افعال سب حکمت اور مصلحت کے ساتھ ہوتے ہیں۔وہ کوئی برا کام نہیں کرتا اور نہ کسی ضروری کام کو ترک کرتا ہے۔ اس میں حسب ذیل باتیں داخل ہیں:

(۱) دنیا کے تمام افعال بجائے خود یا اچھے ہیں یا برے۔ یہ اور بات ہے کہ کسی بات کی اچھائی، برائی کو ہماری عقل پورے طور پر نہ سمجھ سکے۔لیکن اس کے معنی یہ نہیں کہ حقیقۃً بھی وہ اچھے یا برے نہیں ہیں۔خدا جو کام کرتا ہے وہ اچھا ہی ہوتا ہے۔ برا کام وہ کبھی نہیں کرتا۔خدا ظلم اور ناانصافی سے بری ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ بندوں کو غیر ممکن باتوں کا حکم دے یا ایسے کام کرے جو بالکل فضول ہوں اور جن کا کوئی فائدہ نہیں۔اس لئے کہ یہ تمام باتیں نقص ہیں اور خدا ہر نقص سے بری ہے۔

(۲) خدا نے انسان کو اس کے افعال میں خود مختار بنایا ہے یعنی وہ جو کچھ کام کرتا ہے اپنے ارادہ واختیار سے کرتا ہے۔ بے شک یہ قدرت خدا کی طرف سے عطا کی ہوئی ہے اور جب وہ چاہتا ہے تو اس قدرت کو سلب کرلیتا ہے لیکن جب وہ قدرت کو سلب کرلے تو انسان پر ذمہ داری باقی نہیں رہ سکتی۔یعنی اس صورت میں جو کچھ سرزد ہو اس پر کوئی سزا نہیں دی جاسکتی۔(جیسے پاگل آدمی۔ناشر)

خدا بندوں کو اچھی باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے۔اچھے کاموں پر وہ انعام عطا کرتا ہے اور برے کاموں پر سزا دیتا ہے۔اگر اس نے انھیں مجبور پیدا کیا ہو یعنی وہ خود ان کے ہاتھوں سب کچھ کام کراتا ہو تو احکام نافذ کرنا اور جزا وسزا دینا بالکل

غلط اور بے بنیاد ہوگا۔ خدا کی ذات ایسے غلط اور بے جا طرزِ عمل سے بری ہے۔

(۳) خدا کو بندوں کے تمام افعال کا علم ہمیشہ سے ہے لیکن اس کا علم ان لوگوں کے افعال کا باعث نہیں ہوتا بلکہ چونکہ یہ لوگ ان افعال کو اپنے اختیار سے کرنے والے ہیں اس لئے خدا کو ان کا علم ہے۔

(۴) خدا کے لئے عدالت کو ضروری قرار دینے کے یہ معنی نہیں ہیں کہ وہ ظلم یا فعل شر یا عبث پر قادر نہیں ہے بلکہ یہ معنی ہیں کہ خدا کی کامل ذات اور اس کے علم وقدرت کے لئے یہ شایان نہیں ہے کہ وہ ظلم و فعل شر وغیرہ کا ارتکاب کرے۔ اس لئے ان افعال کا صادر ہونا اس سے بالکل غیر ممکن ہے۔

عقیدۂ توحید وعدل کا انسانی معاشرہ پر اثر

توحید سے عالم انسانیت کو ایک مشترک نقطہ کی طرف توجہ پیدا ہوتی ہے جو سب کا مرکز قرار پائے۔ ہزار در ہزار نسل، وطن، قوم اور رنگ کے تفرقوں کے باوجود دنیا منسلک ہوجاتی ہے ایک نظام میں اس ایک ہستی کے اقرار سے جو سب کا خالق اور معبود ہے۔

پھر یہ کہ اس سے انسان میں احساس پیدا ہوتا ہے کہ وہ مطلق العنان نہیں ہے۔ اگر سب ذاتی خواہشوں کے غلام ہوتے تو ہر ایک کی طبیعت اور خواہش کے اختلاف سے مقصد اور عمل میں اختلاف پیدا ہوسکتا تھا مگر یہ سب ایک حاکم کے فرماں بردار ہیں اس لئے ان کا آہنگ عمل اور مقصد ایک ہونا چاہئے۔ یہ حاکم کیسا ہے؟ حاضر وناظر ہے۔ ہر جگہ موجود ہے اور ہر بات کو جانتا ہے۔ اس لئے انسان کو ہوشیار رہنا چاہئے کہ کوئی بات خلاف قانون بجا نہ لائے، کسی کام کو چوری چھپے کرتے ہوئے مطمئن نہ ہو کہ کسی نے نہیں دیکھا کیونکہ اسی نے دیکھا ہے جس کے ہاتھ میں جزا وسزا ہے۔

وہ ایک اکیلا ہے۔ کوئی اس کا مدمقابل نہیں۔ اس لئے بس اسی کی رضامندی کی فکر رہنا چاہئے اور اسی کی ناراضگی سے اندیشہ کرنا چاہئے اس کی طاقت ہر ایک سے غالب ہے اس لئے ناحق کسی طاقت سے مرعوب نہ ہو۔ وہ ہر بات پر قادر ہے اس لئے اپنی ناتوانی سے کبھی ناامید نہ ہو۔

اس عقیدہ سے ایسی انسانی برادری کی تشکیل ہوتی ہے جس میں ہر ایک دوسرے کے ساتھ اتحاد ومساوات کا احساس رکھتا ہو اور سب ایک نصب العین پر گامزن ہوں۔ سب اپنی خواہشوں کو مشترک مقصد اور اُصول میں فنا کردیں اور سب اپنے واحد حاکم کی رضامندی کے خلوت اور انجمن ہر حالت میں طلبگار رہیں اور کسی وقت قانون کے احترام کو ہاتھ سے نہ دیں۔ اس جماعت کے افراد میں خودداری ہو کہ وہ کسی مادّی طاقت کے سامنے سر نہ جھکائیں، بلند حوصلگی ہو کہ کسی دشوار مقصد کو ناممکن نہ سمجھیں اور اعتماد ہو جس سے کبھی اپنے دل میں یاس کا گزر نہ ہونے دیں۔

یہی وہ عناصر ترقی ہیں جو مرتبہ اقوام کے شایان شان ہیں۔

عدل کے ماتحت یہ احساس پیدا ہوتا ہے کہ اس کا قانون جو اس کے تمام کاموں میں جاری ہے وہ عدالت ہے لہٰذا وہ بندوں سے بھی انصاف اور عدالت کا طالب ہے۔ اس نے ہمیں ایک امانت دی ہے جس کا نام ''قوتِ اختیار'' ہے ہمیں اس اختیار کو قانونِ عدالت کے مطابق صرف کرنا چاہئے۔

اس عقیدہ سے اس برادری میں جو انسانیت کے حدود میں قائم کی گئی ہے تبادلۂ حقوق اور انصاف ومساوات کی بنیادیں مضبوط ہوتی ہیں۔ اس برادری کے افراد ایک دوسرے کو حقارت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے کیونکہ یہ ظلم ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ایک کو دوسرے پر دولت وثروت یا طاقت واقتدار میں جو فوقیت نظر آتی ہے، یہ بالکل وقتی ہے اور عارضی، خالق کی نگاہ میں ان سب کے لئے ایک قانون ہے کہ بلندی ان کی کردار سے وابستہ ہے۔ گناہ اگر غریب کرے تو سزا ملے گی اور امیر کرے گا تو سزا پائے گا۔

وہاں اس کی دولت مندی کچھ کام نہ آسکے گی۔ نہ وہ رشوت دے کر اپنے بچاؤ کا سامان نکال سکے گا۔ اسی طرح اچھا کام اگر امیر کرے گا تو جزا پائے گا اور غریب کرے گا تو جزا پائے گا۔ اس کی غربت اس کی کسمپرسی کا باعث نہ ہوگی۔ اس طرح ہر شخص کو اپنے فرائض کا احساس پیدا ہوتا ہے اور اپنے اعمال کی جانچ کی ضرورت

پڑتی ہے۔افراط اورتفریط،اسراف اورکنجوسی سب ظلم ہیں اور ہر چیز میں وسط کا نقطہ عدالت کا مرکز ہے۔ انسانی کمالات کی دنیا اسی اعتدال کے نقطہ پر مبنی ہے۔

خدا کو عادل سمجھنا، اس اعتدال کی پابندی کا واحد محرّک (Motive) ہے اوراسی لئے جواس اعتدال پر قائم رہیں انھیں عادل کہا جاتا ہے اور سچے مسلمان وہی ہیں جو عدالت کی صفت سے ممتاز ہوں۔

نبوّت

اس کے تحت میں حسب ذیل باتیں ہیں:

(۱) انسانی جماعت کوصحیح راستے پر چلانے کے لئے خدا کی جانب سے رہنما اور مصلح مقرر ہوتے رہے ہیں جن کے ذریعہ سے ان کو خداوندی احکام پہنچتے رہیں اور انتظامِ خلق دُرست ہو۔ ان مصلحین کو جو خدا کی طرف سے احکام پہنچانے کے لئے مقرر ہوتے ہیں نبی اور رسول کہتے ہیں اور انسانوں کی بہبودی کے لئے جو تعلیمات خدا کی طرف سے کسی معلم کے ذریعہ سے آتے ہیں ان تعلیمات کے مجموعہ کو''شریعت'' کہتے ہیں اور وہ رسولؐ کے ذریعہ سے دنیا کو پہنچتے ہیں۔

(۲) انسانی آبادی کا کوئی خطّہ اورکوئی طبقہ خدا کی جانب سے رہنمائی سے محروم نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ممکن ہے کہ بعض اقوام اور بعض ممالک کے متعلق ہم کوصحیح علم نہ ہو کہ ان کی سچی رہنمائی خدا کی طرف سے کن اشخاص سے متعلق تھی لیکن یہ کلیّہ بہرحال صحیح ہے کہ ہرقوم کے لئے خدا کی طرف سے رہنما ضرورقرار دیا گیا ہے۔

(۳) انبیاء یعنی خدا کی طرف سے مقرر شدہ مصلحین عملی حیثیت سے دنیا کے لئے نمونہ ہوتے ہیں اس لئے انھیں گنہگار نہیں ہونا چاہئے اور نہ غلطیوں میں مبتلا ہونا چاہئے۔ نہ بھول چوک میں گناہ کا مرتکب ہونا چاہئے۔ اگر ایسا ہوگا تو ان کے ہاتھوں خلق خدا کے گمراہ ہونے کا اندیشہ پیدا ہوگا اور ایسے اشخاص کا جن سے یہ اندیشہ ہو، خدا کی طرف سے مقرر کیا جانا درست نہیں ہے۔

(۴) خدا کی طرف سے مقرر شدہ نبی کے پاس کوئی ایسی غیر معمولی مخصوص بات ہونا ضروری ہے جس کو وہ اپنے دعوے کے ثبوت میں پیش کرے اور کوئی دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں اس کی مثال پیش نہ کر سکے۔ ایسی غیر معمولی بات کو''معجزہ'' کہتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہوتو سچے اور جھوٹے میں کوئی تمیز نہ ہوگی اور ہر شخص نبوت کا دعویٰ آسانی کے ساتھ کر سکے گا۔

(۵) ہمارے رسول حضرت محمد مصطفی ﷺ کا سب سے بڑا معجزہ جو دنیا کے سامنے ہمیشہ کے لئے باقی ہے، قرآن مجید ہے۔ یہ اس زمانہ کے لوگوں کے لئے بھی معجزہ تھا اس لئے کہ اس کی فصاحت و بلاغت انسانی طاقت سے بالاتر تھی اور اب بھی معجزہ ہے اور ہمیشہ معجزہ رہے گا۔

(۶) قرآن خدا کا کلام ہے یعنی وہ رسولؐ کی ذاتی طاقت کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ خدا کی طرف سے ان کے دل پر اُتارا گیا ہے۔ وہ پورا رسولؐ کے زمانہ ہی میں متفرق طور پر لکھ گیا تھا۔ بعد وفات رسولؐ وہ تمام وکمال کتابی صورت میں جمع ہوگیا۔ نہ اس میں کوئی زیادتی ہوئی ہے اور نہ کمی اور نہ تبدیلی...... ہاں اس کی ترتیب شانِ نزول کے مطابق نہیں ہے۔

(۷) شریعت اسلام اپنی جامعیت کے لحاظ سے ہر زمانہ کے ضروریات کے لئے مکمل حیثیت رکھتی ہے اس لئے اس شریعت کے بعد کسی شریعت کے آنے کی ضرورت نہیں رہی اور نہ حضرت محمد مصطفیؐ کے بعد کسی نبی و رسول کے آنے کا محل رہا۔ قرآن مجید میں واضح طور پر اعلان کر دیا گیا ہے کہ یہ سب سے آخری رسولؐ ہیں اور خود پیغمبرؐ نے بھی بتلایا کہ آپ کے بعد کوئی نبی و رسول آنے والا نہیں ہے۔

عقیدۂ رسالت کا عملی تقاضا

رسول خدائے احکم الحاکمین کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اس کے احکام خدا کے احکام ہوتے ہیں لہٰذا کسی کو رسولؐ کے مقابلہ میں رائے زنی، عقل آرائی اور طبع آزمائی کا حق نہیں ہے، نہ اس کے فیصلے کے بعد کسی چون و چرا کا موقع۔ اس طرح رسولؐ کے اقتدار کے تحت آپس کی طرفداری، جاہ طلبی، خودغرضی، انانیت، جبروت اور نفسانیت سے پیدا شدہ ہر کشمکش کو جو جماعت کے افتراق کا باعث

ہوتی ہے، ختم ہوجانا چاہئے اور اسی میں جماعت کی تنظیم اور ترتیب اور تمام افراد کی فرض شناسی کا راز مضمر ہے۔

امامت

چونکہ رسولؐ کی زندگی دارِ دنیا میں محدود ہے اور وہ شریعت جس کی تبلیغ رسولؐ کی زبانی ہوئی ہے اس کی حفاظت اور نیز افراد ملّت کی عملی تربیت اور ان کو احکام شریعت کی صحیح تعلیم دینے کی ضرورت ہے، اس لئے رسولؐ کے بعد آپ کا ایک جانشین ہونا ضروری ہے جو تمام افراد ملت میں پورے طور پر اس رسولؐ کی شریعت اور تعلیم کی حفاظت کرنے کے قابل ہو۔ یہ جانشین امام ہوتا ہے اور یہی رسولؐ کا واقعی خلیفہ (Successor/उत्तराधिकारी) ہوتا ہے۔ اس جانشین کا انتخاب خدا کی جانب سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد پر ہونا چاہئے اس لئے کہ اگر رسولؐ کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد عام افراد کو ان کی رائے، خواہش اور مرضی پر چھوڑ دیا جائے تو مطلق العنانی اور خودغرضی برسرِ کار آجائے گی جس کا نتیجہ افتراق وانتشار وابتری کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا اور اس طرح جو شیرازہ پیغمبرؐ خدا کی اطاعت مطلقہ کی بنا پر جمع ہوا تھا وہ بکھر جائے گا۔ امامت منصوصہ کا عقیدہ اس اجتماعی انتشار کا سدّ باب ہے۔ اس کے تحت میں حسب ذیل امور ہیں:

(۱) رسولؐ کے بعد بھی خداوندی قانون پر دنیا کو چلانے کے لئے مرکز موجود رہتا ہے۔

(۲) یہ مرکز ایسا ہوگا جو خود قانون پر عمل کا بہترین نمونہ ہو، اس لئے اسے بھی گناہوں اور خطاؤں سے بری ہونا ضروری ہے ورنہ پھر اس کے ہاتھوں خلق خدا کی گمراہی کا امکان ہوگا اور مفادِ امامت ختم ہوجائے گا۔

(۳) اسلام کسی شہنشاہیت کی بنیاد قائم نہیں کرتا بلکہ انسانیت کا نظام بناتا ہے اور ایک قوم کی تشکیل کرتا ہے جو انسانیت کا صحیح نمونہ ہو اور اس نظام انسانیت کے لئے ایک محافظ قرار دیتا ہے جو تمام انسانوں کا واحد مرکز ہو۔ یہ اپنے زمانہ میں رسولؐ ہیں اور رسولؐ کے بعد ان کے نامزد کردہ (Nominated/नामित) جانشین یعنی امام اور اگر امام براہِ راست راہنمائی کے لئے سامنے نہ ہوں تو ایسے افراد جو ان کے تعلیمات پر زیادہ سے زیادہ مطلع اور عامل ہوں۔

(۴) امام کے مقابلے میں کسی کو حکومت کا حق نہیں ہے اور جو حکومت اس طرح کی قائم ہو وہ حکومت غیر شرعی ہوگی۔

(۵) نظریۂ امامت میں صرف قرابت یعنی رسولؐ سے رشتہ داری کا کوئی دخل نہیں ہے بلکہ اصل معیار صفات کی بلندی اور اس کے لحاظ سے خالق کی جانب سے بحیثیت جانشینِ رسولؐ نامزد ہونا ہے اور اسی لئے محبت اہلبیتِ رسولؐ جو نجاتِ آخرت کے لئے ضروری ہے اور بغیر اس کے انسان باایمان نہیں سمجھا جاسکتا یہ انھیں ہستیوں کی محبت ہے جو اپنے کردار کے لحاظ سے ''معصوم'' ہیں اور جنھیں خالق کی طرف سے ہدایتِ خلق اور نیابتِ رسولؐ کے لئے مقرر کیا گیا تھا۔

(۶) چونکہ ہدایت خلق اور حفاظت شریعت کا کام مستقل طور پر قائم ہے، اس لئے اس سلسلہ کی کسی فرد کا آخرِ عمر زمانہ تک موجود رہنا ضروری ہے اور جب کہ وہ آنکھوں کے سامنے نہ ہو تو اسے پردۂ غیبت میں باقی اور برقرار اور اپنے طور پر برسر کار ماننا ضروری ہے۔

معاد (Resurrection)

اس کے تحت میں حسب ذیل امور ہیں:

(۱) خدا کی طرف سے بندوں کو ان کے اچھے اور برے افعال کا بدلہ ملنا ضروری ہے۔ جو اچھے کام کریں انھیں جزاء اور جو برے کام کریں اُنھیں سزا ملے گی اس لئے کہ خدا عادل ہے اور عدالت کا تقاضا یہی ہے۔

(۲) جزاء وسزا کے لئے ایک دن مقرر ہے جسے ''قیامت'' کہتے ہیں اس دن سب مرنے والے دوبارہ زندہ ہوں گے تاکہ انھیں جزاء وسزا عطا کی جائے۔

(۳) جزاء یعنی اچھے کاموں پر جو انعام کا اعلان ہے وہ کبھی ٹل نہیں سکتا لیکن گناہوں پر سزا کا جو اعلان ہے وہ صرف استحقاق کا پتہ دیتا ہے۔ یعنی یہ شخص سزا کے قابل ہے لیکن عفو وکرم کے ماتحت ہوسکتا ہے کہ خدا اس سے درگزر کردے۔ اس کا نام ''مغفرتِ ذنوب''

یعنی گناہوں کی بخشش ہے۔

(۴) ان گناہوں کی بخشش کبھی رسولؐ یا ائمہ دینؑ کی بارگاہِ الٰہی میں عرضداشت سے ہوتی ہے۔اس کو شفاعت کہتے ہیں۔

اصول دین کا خلاصہ یا اصل جوہر

مذکورۂ بالا اصول دین کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ ان کو مان کر ایک ایسی قوم کی تشکیل ہوتی ہے جو خدا کی بادشاہت کو تسلیم کرے اور اسی کے ماتحت اس کے مقرر کردہ حاکم (رسولؐ) اور اس کے نائبین (اولوالامر) یعنی ائمہ معصومینؑ کے احکام پر وفاداری کے ساتھ عمل کرے۔خالق کی عظمت کے مقابلہ میں کسی دنیوی طاقت سے مرعوب نہ ہو اور اس طرح کسی باطل اقتدار کی بیعت کے لئے تیار نہ ہو اور اقتدارِ الٰہی کے مقابلہ میں خود اپنے ذاتی اختیار اور خودرائی سے کبھی کام نہ لے اور اس کے مقرر کردہ مرکز سے منحرف نہ ہو اسی کا نام ہے ''شیعیت'' اور یہی ہے ''حقیقتِ اسلام''۔

اصول دین کے نمایاں پہلو یہ ہیں:

(۱) خالق کی ذات کو اس کے شایانِ شان کمال کے ساتھ ماننا—اس کا نام **توحید** ہے۔

(۲) خالق کے افعال کو اس کے شایانِ شان حکیمانہ رفعت کے ساتھ ماننا—یہ **عدل** ہے۔

(۳) رہنمایان دین کو جو اللہ کے مقرر کردہ ہیں کامل طور پر کردار کی ہر پستی سے اونچا ماننا—جس کا نام ''**عصمت**'' ہے۔ یہ نبوت کا لازمی جزء ہے۔

(۴) خالق کی طرف کے رہنمائی کے نظام کو تا قیامت باقی ماننا اور ''حکومت الٰہیہ'' کو اس کے تمام تقاضوں کے ساتھ قبول کرنا—اس کا نام ''**امامت**'' ہے۔

(۵) جزاء وسزا کے لئے اس دورِ زندگی کے اختتام کے بعد ایک دوسرے دورِ حیات کو تسلیم کرنا—اسے **معاد** کہتے ہیں۔

مذہب شیعہ کے خصوصیات
(عقائد کے لحاظ سے)

(۱) تنزیہ خالق یعنی خداوند عالم کے کمالِ ذات کے خلاف کسی طرح کے بھی نقص، کسی طرح کی جسمانیت، کسی طرح کی بھی مشابہت کو غیر کے ساتھ گوارا نہ کرنا۔

اسی بناء پر دنیا یا آخرت کسی عالم میں بھی وہ جسمانی آنکھ سے خالق کے دیدار کو صحیح نہیں سمجھتے۔

اس کے لئے ذات کے علاوہ صفات نہیں سمجھتے کیونکہ اس طرح ذات اپنے کمال میں صفات کی محتاج قرار پاتی ہے۔

ذاتِ خالق کے سوا کسی قدیم کا تصور نہیں کرتے مثلاً اگر ذات کے علاوہ اس کے کلام کو بھی قدیم سمجھا جائے یا مزید آٹھ صفتوں کو قدیم سمجھا جائے تو صفتِ قِدَم میں ذاتِ الٰہی کے شریک دوسرے امور ہوجاتے ہیں۔اس لئے جس طرح تمام ادیانِ عالم میں دین اسلام میں توحید سب سے زیادہ مکمل ہے اسی طرح تمام فرقِ اسلامیہ میں شیعی مذہب کی توحید سب سے زیادہ خالص ہے۔

(۲) عدل الٰہی کو پورے اس کے تقاضوں کے ساتھ تسلیم کرنا جیسا کہ پہلے لکھا گیا اس کے معنی یہ ہیں کہ خالق کے افعال میں کوئی غلط (Wrong) کام، کوئی لغو (Worthless) کام، اور کوئی برا (Evil) کام نہیں ہوسکتا۔

(۳) شیعہ ''حق کو طاقت'' (Right is might) مانتے ہیں، اتنی ہمہ گیری کے ساتھ کہ خالق کے افعال میں بھی سوا حقّانیت اور انصاف کے کسی دوسرے تصور کے لئے تیار نہیں ہیں۔

یہ خیال کہ 'وہ قادر مطلق ہے لہٰذا اس پر کوئی پابندی نہیں' نتیجہ ہے ''طاقت کو حق'' (might is right) سمجھنے کا جو شہنشاہان خود مختار کی مطلق العنانی کا سنگ بنیاد ہے۔شیعہ اس تصور کے شروع سے آخر تک خلاف ہیں۔

(۴) شیعہ ''تقدیر'' یا ''مشیتِ الٰہی'' کے کسی ایسے تصور کو درست نہیں جانتے جو ظالموں اور بدکاروں سے ان کے افعال کی ذمہ داری کو سلب کردے، اس طرح نہ خالق کے افعال میں شر کا تصور رکھتے ہیں اور نہ دنیا میں کسی شر کے وقوع میں اس کے ارادہ اور عمل کی کارفرمائی کو صحیح سمجھتے ہیں۔اسی سے ظلم اور ظالموں سے نفرت کی بنیاد مضبوط ہوتی ہے اور یہی صحیح معنی میں اُصول ''تبرّا'' کا سنگ

بنیاد ہے۔

(۵) شیعہ حسن وقبح (اچھائی اور برائی) کو عقلی جانتے ہیں یعنی شریعت کے احکام سے قطع نظر کرتے ہوئے بجائے خود بھی افعال میں اچھائی اور برائی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ بعض چیزوں کی اچھائی اور برائی کے پہلوؤں تک ہمارا ذہن نہ پہنچ سکے مگر ذاتاً ان میں اچھائی یا برائی ہے ضرور اور اسی اچھائی یا برائی کی بناء پر شریعت میں حلال اور حرام کے احکام نافذ ہوتے ہیں۔ نہ یہ کہ اندھا دھند جس چیز کو خالق نے چاہا حلال کر دیا اور جسے چاہا حرام کر دیا۔

شیعی مذہب کے اس اصول کی بناء پر عقل انسانی کے لئے شرعی احکام کے فلسفہ تشریع پر غور وخوض کی راہیں کھلتی ہیں اور انسانی بصیرت کو جلا ہوتی ہے۔

(۶) شیعہ حکومت الٰہیہ کو اس کے پورے تقاضوں کے ساتھ تسلیم کرنے کے حامی ہیں۔ اسلام کے معنی ایک ''سر نہادن بطاعت'' کے ہیں اور دوسرے ''سپردن'' کے......... دونوں کا نتیجہ یہی ہوتا ہے کہ اللہ کی مرضی کے مقابلہ میں انسان کا حق خود ارادی خواہ شخصی ہو یا جمہوری کوئی چیز نہیں ہے۔ حاکم مطلق صرف اللہ ہے اور جسے وہ اپنا نائب بنائے صرف اس کی اطاعت انسان پر فرض ہے۔ اس کے مقابلہ میں کوئی دوسرا حقِ حکومت نہیں رکھتا اور جو حکومت اس کے مقابلہ پر قائم ہو وہ ناجائز ہے۔

(۷) شیعہ تعلیمات اسلامی اور کتاب وسنت کے علم کے لئے اس مرکز سے وابستہ ہیں جو خود پیغمبر خدا ﷺ کا بتایا ہوا تھا۔ کبھی اس طرح کہ:

اِنِّیْ تَارِکٌ فِیْکُمُ الثَّقَلَیْنِ کِتَابَ اللّٰہِ وَ عِتْرَتِیْ اَھْلَ بَیْتِیْ مَااِنْ تَمَسَّکْتُمْ بِھِمَا لَنْ تَضِلُّوْا بَعْدِی۔

(میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑتا ہوں۔ اللہ کی کتاب اور میری عترت جو میرے اہلبیتؑ ہیں، جب تک ان دونوں سے وابستہ رہو گے کبھی گمراہ نہ ہو گے۔)

کبھی فرمایا:

مَثَلُ اَھْلِ بَیْتِیْ کَمَثَلِ سَفِیْنَۃِ نُوْحٍ مَنْ رَکِبَھَا نَجَا وَ مَنْ تَخَلَّفَ عَنْھَا غَرَقَ وَھَوٰی۔

(میرے اہلبیتؑ کی مثال کشتی نوحؑ کی سی ہے۔ جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو اس سے الگ ہوا وہ غرق ہوا۔)

کبھی فرمایا:

اَنَا مَدِیْنَۃُ الْعِلْمِ وَ عَلِیٌّ بَابُھَا فَمَنْ اَرَادَ الْعِلْمَ فَلْیَأْتِ الْبَابَ۔

(میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے تو جو علم کا طلبگار ہو اسے دروازہ پر آنا چاہئے۔)

فرقۂ شیعہ نے رسولؐ اللہ کے بعد جس طرح حکومت کا حقدار صرف انھیں کو سمجھا جن کے لئے خدا اور رسولؐ کا اعلان ہو چکا تھا، اسی طرح دینی تعلیمات کے باب میں بھی صرف انہی کی رہنمائی قبول کی اور وہ انھیں ارشادات کو دینی تعلیم کا سرچشمہ مانتے ہیں جو قرآن، حدیث رسولؐ اور ان اہلبیتؑ معصومینؑ سے پہنچے ہوں جنھیں پیغمبرؐ نے اپنے علوم کا ورثہ دار بنایا اور بتایا تھا۔

اسلام کے عملی ارکان اور احکام شرعی

قانون الٰہی کے تحت میں کچھ فرائض مقرر ہیں جو انفرادی اور اجتماعی زندگی کی درستی کے لئے ضروری ہیں۔ ان میں سے جو بہت اہم حیثیت رکھتے ہیں وہ ''ارکان اسلام'' کہے گئے ہیں جنھیں عام طور پر ''فروع دین'' کہا جاتا ہے۔ اس لئے کہ وہ اُصول عقائد کے ساتھ وہی تعلق رکھتے ہیں جو شاخوں کو درخت کے ساتھ ہوتا ہے۔ ان پر عمل کرنا ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے اور بغیر ان پر عمل کے اسلام کا مقصد حاصل نہیں ہو سکتا۔

قانون الٰہی کو مذہب کی زبان میں ''شریعت'' کہتے ہیں اور جو اس قانون کے تقاضے ہوں انھیں احکام شرعی کہا جاتا ہے۔

ضروریات دین

وہ شرعی احکام جو تمام مسلمانوں میں اس طرح تعلیم شدہ ہیں کہ بچہ بچہ انھیں جانتا ہے اُنھیں ''ضروریات دین'' کہا جاتا ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ کا واجب ہونا۔ شراب، زنا اور سود خواری کا حرام ہونا بلکہ نماز کی کچھ شرائط اور کچھ کیفیات مثلاً نماز کے لئے

طہارت کا ضروری ہونا، قبلہ، شب وروز کی واجب نمازوں کی تعداد، ان کی رکعتیں اور قیام وقعود اور رکوع وسجود کا جزءِ نماز ہونا وغیرہ۔ یہ بھی ضروریاتِ دین میں داخل ہیں جن کا منکر کافر ہے۔ اس طرح اگر فہرست ضروریاتِ دین کی مرتب کی جائے تو وہ کافی بسیط ہوگی۔

احکام شرع کے ماخذ

احکام شرع حاصل کرنے کے چار ذریعے ہیں:

(۱) قرآن: اس میں جن آیات کے معنی ظاہر ہیں انھیں خود سمجھ کر عمل کرنا فرض ہے اور جن کے معنی مجمل یا مبہم ہیں ان کی شرح کو احادیث معصومینؑ سے معلوم کرنا چاہئے۔ اٹکل پچو ان آیتوں میں رائے زنی کرنا درست نہیں ہے۔

(۲) حدیث: یعنی رسولؐ اللہ اور آپ کے جانشین جو امامؑ تھے، ان کے اقوال وافعال۔

(۳) اجماع: اس میں عام اشخاص کا کسی بات پر متفق ہونا کوئی چیز نہیں جب تک کسی ذریعے سے یہ یقین نہ ہوجائے کہ امامؑ بھی ان سے متفق ہیں۔ اس کا موجودہ زمانہ میں حاصل ہونا غیر ممکن ہے۔

(۴) عقل: یقینی طور پر جو عقل کے فیصلے ہوں جیسے امانتداری کا مستحسن ہونا، خیانت کا فعل قبیح ہونا۔ یہ فیصلے عقل کے بھی مستند ہیں مگر قیاس یعنی ایک چیز کے شرعی حکم سے دوسری چیز کے شرعی حکم کا صرف گمان کی بناء پر اپنے دل سے نکالنا یہ ہمارے نزدیک بے اصل ہے اور اس پر عمل کرنا جائز نہیں ہے۔

اصول عملیہ

جس چیز کے بارے میں مذکورہ ماخذوں سے کوئی علم حاصل نہ ہوسکے اور اس میں شک ہو، اسے کیا سمجھا جائے اور عملاً کیا کیا جائے؟ اس کے قواعد وضوابط جو مذکورۂ بالا ماخذوں (Sources) ہی سے حاصل ہوئے ہیں، اصول عملیہ کہلاتے ہیں۔ یہ چار ہیں:

(۱) استصحاب (Convention): یعنی جو بات پہلے ہو، اسے باقی سمجھا جائے جب تک کہ اس میں تبدیلی کے وقوع کا علم نہ ہو۔

(۲) براءت (Non-conpulsion): یعنی جس شے کے متعلق شرع کی جانب سے فعل یا ترک کی پابندی ثابت نہ ہو، اسے جائز سمجھنا چاہئے۔

(۳) احتیاط (Precaution): یعنی جب شرع کی جانب سے وجوب یا حُرمت (واجب یا حرام ہونے) کی پابندی عائد ہونا ثابت ہو مگر پتہ نہ ہو کہ کیا واجب ہے یا کیا حرام ہے یا اس پابندی کے ادا کرنے کے طریقہ میں شک ہو تو ایسا طریقہ اختیار کرنا کہ یقینی طور پر انسان بری الذمّہ ہوجائے اور حکمِ مولا کی تعمیل یقینی طور پر ہوجائے۔

(۴) تخییر (Option): جب کہ فعل یا ترک کی پابندی عائد ہونے کا یقین ہو مگر تعین کے ساتھ معلوم نہ ہو اور احتیاط کی کوئی صورت ہو ہی نہ، تو کسی بھی ایک پہلو پر عمل کرنے کا اختیار ہوگا۔

یہ تمام قاعدے جیسا کہ کہا گیا طبع زاد یا خود ساختہ (Self-styled) نہیں ہیں بلکہ انھیں شرع کے ماخذوں سے ثابت ہیں لہٰذا ان پر عمل درحقیقت انھیں شرعی دلائل پر عمل ہے کوئی الگ چیز نہیں ہے۔

اجتہاد وتقلید

مذکورۂ بالا ماخذوں اور ان سے مستفاد اصول وقواعد سے احکام شرعیہ کو سمجھنے کی کوشش کا نام اجتہاد ہے، نہ کہ دل بخواہ احکام تراشنے کا اور جو لوگ اس طرح احکام کو خود سمجھ سکیں، وہ ''مجتہد'' کہلاتے ہیں اور جو اتنی قابلیت نہیں رکھتے کہ وہ خود اس طرح احکام کو سمجھ سکتے ہوں تو ان کے لئے صحیح طریقہ احکام شرعیہ پر عمل کرنے کا یہی ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اپنے بھروسے کے مجتہد کی طرف رجوع کریں اور اس سے مسائل کو دریافت کرکے ان پر عمل کریں۔ اس کا نام ''تقلید'' ہے۔

وہ کوئی پیری مریدی کی طرح کی چیز نہیں ہے، اس لئے نہ مجتہد سے بیعت کرنا ہوتی ہے اور نہ کسی رسم کے ادا کرنے کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ مجتہد کو اطلاع تک دینے کی ضرورت نہیں ہے کہ میں آپ کا مقلد ہوتا ہوں۔

وہ بس مابین خود وخدا احکامِ الٰہی پر عمل کرنے کا ایک امکانی

ذریعہ ہے اور اس کے سوا کچھ نہیں۔

نماز اور اس کے لئے ضروری چیز طہارت

عملی ارکان میں سب سے اہم نماز ہے اور نماز کے لئے طہارت ضروری ہے۔

نجاسات

طہارت کے لئے سب سے پہلے ضرورت نجاستوں سے علاحدہ رہنے کی ہے جیسے پیشاب، پاخانہ، خون وغیرہ۔ ان میں سے اکثر چیزوں سے آلودگی طبّی حیثیت سے بھی امراض کا سبب ہے لیکن اس نجاست میں اصل دار و مدار حکم شرع پر ہے۔ اس حکم شرعی کا باعث یہ طبّی مضرت بھی ہوسکتی ہے اور بسا اوقات دوسری مصلحتیں بھی ہوسکتی ہیں جیسے نفرت پیدا کرنا یا ایسے لوگوں کے میل جول سے روکنا جن سے انسان کے لئے دینی حیثیت سے خطرہ ہے۔

ایک ضمنی مقصد ان تمام چیزوں سے علیٰحدہ رہنے میں صفائی بھی ہے مگر اصل مقصد صرف صفائی نہیں ہے۔ چنانچہ ان نجاسات میں علاوہ ان گندی چیزوں کے جیسے پیشاب، پاخانہ وغیرہ ایک نشہ دار سیّال چیز یعنی شراب وغیرہ بھی ہے۔ اس کی نجاست بظاہر اس کی حرمت کو طاقت پہنچانے کے لئے ہے تاکہ انسان اس سے متنفر ہو کہ رغبت نہ کرے۔ فعلِ حرام کی وجہ سے جنابت میں مبتلا ہونے والے کا پسینہ بھی نجس قرار دیا گیا جس سے اس فعل شنیع کی برائی کا ذہن نشین کرنا مقصود ہے اور اسی طرح غیر مسلمین کی نجاست کا حکم جو فقہِ جعفری کے مخصوصات میں سے ہے۔ یہ عقائد کفریہ سے ذہن کو دور کرنے کا ایک قوی ذریعہ ہے جس کی پابندی تعلیمات اہلبیتؑ کے رو سے قطعی طور پر ضروری ہے۔

مُطہّرات (پاک کرنے والی چیزیں)

جب کوئی شے مذکورہ بالا نجاستوں سے نجس ہوجائے تو اس کے پاک کرنے کے لئے سب سے اہم شے پانی ہے۔ یہ عارضی نجاست رکھنے والی ہر شے کا مطہر ہے۔

دوسرے زمین اس کے ذریعہ جوتوں کے تلے، ننگے پیر چلنے والوں کے پیروں کے تلوے۔ گاڑیوں کے پہیے وغیرہ غرض ہر ایسی چیز جو عموماً زمین پر چلتی ہے، اس نجاست سے جو اسی نقل و حرکت میں نجس مقامات پر چلنے سے پیدا ہو پھر اسی نقل و حرکت کے ذیل میں خود بخود پاک ہوتی رہتی ہے۔

تیسرے آفتاب۔ اس کے ذریعہ سے غیر منقولہ (Immovable/अचल) چیزیں جیسے دیوار، در، درخت اور میوہ جو درخت پر ہو۔ وہ اگر بحالت تری نجس ہوں تو دھوپ سے خشک ہوکر پاک ہوجائیں گی۔

یہ مطہرات وہ ہیں جن سے عارضی نجاستیں دور ہوتی ہیں اور جو اصلی نجاست ہے جیسے پاخانہ، خون، کُتا، سور اور کافر وغیرہ اس کی اگر نوعیت بالکل بدل جائے اس طرح کہ وہ پہلی شے باقی ہی نہ رہے جیسے جل کر راکھ ہوجائے یا کتّا نمک زار میں گر کر نمک ہوجائے تو اب جو شے وجود میں آئی ہے وہ پاک سمجھی جائے گی۔ اسی طرح کافر اگر مسلمان ہوجائے تو اب نجاستِ کفر اس کی ختم ہوگئی اور وہ مسلمان ہوکر طاہر ہوگیا۔

وہ سیال (Fluid) چیز جو بغیر کسی قید و اضافت کے پانی نہیں کہی جاسکتی، آبِ مضاف کہلاتی ہے۔ اس سے کوئی شے پاک نہیں ہوسکتی اور وہ ذرا سی بھی نجاست کے پڑ جانے سے فوراً نجس ہوجائے گا چاہے کتنا ہی زیادہ ہو، لیکن آبِ مطلق یعنی جو حقیقی معنی میں پانی ہو اس کی کئی قسمیں ہیں:

ایک آب جاری یعنی جس کا کوئی خزانہ (Reserroir) ہے جس سے اس کا اتصال (ملا ہونا) ہے خواہ قدرتی ہو جیسے دریا، چشمہ اور کنواں وغیرہ یا بنایا ہوا ہو جیسے نل کا پانی جو بڑی بڑی ٹنکیوں سے تعلق رکھتا ہے، پانی جب تک برس رہا ہے وہ بھی اسی حکم میں ہے۔ یہ قسم پانی کی نجاست کے اتصال سے اس وقت تک نجس نہیں ہوتی جب تک نجاست سے بو، رنگ یا مزہ اس کا بدل نہ جائے اور اگر تبدیل ہوجائے تو وہ اس وقت تک نجس رہے گا جب تک وہ تبدیلی باقی ہے اور جب وہ تبدیلی ختم ہوجائے تو وہ پانی خود بخود پاک ہوجائے گا۔

دوسرے آب کثیر یعنی ٹھہرا ہوا پانی جو کُر بھر ہو یا اس سے

زیادہ اس کا حکم یہ ہے کہ وہ نجس تو اس وقت تک نہیں ہوگا جب تک کہ نجاست سے رنگ یا بو یا مزہ نہ بدلے، لیکن اگر یہ تبدیلی ہوجائے تو پھر وہ خود سے پاک نہیں ہوگا بلکہ زوالِ تغیر کے علاوہ ایک کُر پانی اس میں ڈالنے کی ضرورت ہوگی۔

تیسرے آب قلیل یعنی کُر سے کم پانی۔ یہ ایک قطرہ نجاست سے بھی نجس ہوجائے گا اور پاک اسی صورت سے ہوسکے گا کہ ایک کُر پانی سے اس کا اتصال ہو۔

نماز میں جسم کا نجاست سے پاک ہونا لازم ہے اور لباس کا بھی سوا ایسے چھوٹے لباس کے جیسے ازار بند وغیرہ جس سے مرد کے لئے جتنا ستر نماز میں ضروری ہے وہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے علاوہ سجدہ گاہ یعنی پیشانی کے رکھنے کی جگہ کو طاہر (پاک) ہونا لازم ہے۔

طہارت شرعیہ یعنی رفع حدث

حَدَث ایک قسم کی اندرونی نجاست کا نام ہے۔ اس کے لئے سابقہ نجاستوں سے پاک ہونے کے علاوہ غسل یا وضو کی ضرورت ہوتی ہے جس حَدَث کے دور کرنے کے لئے غسل کی ضرورت ہو، اسے حَدَث اکبر کہتے ہیں اور جس کے دور کرنے کے لئے وضو لازم ہوتا ہے، اسے حَدَثِ اصغر کہتے ہیں۔ اگر کسی وجہ سے غسل یا وضو ممکن نہ ہو تو دونوں صورتوں میں تیمم لازم ہوتا ہے۔

چونکہ عام حالات میں زیادہ تر نماز وضو سے ہوتی ہے لہٰذا پہلے اسی کو بیان کیا جاتا ہے۔

وضو

اگر پیشاب، پاخانہ وغیرہ ہوا ہو یا ہو چکا ہو اور ایسا کوئی امر نہ ہو جس سے غسل واجب ہوتا ہے تو اب نماز کا وقت آنے پر وضو واجب ہوگا۔

وضو کی ترکیب قرآن مجید میں موجود ہے:

اِذَا قُمْتُمْ اِلَی الصَّلٰوۃِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْھَکُمْ وَاَیْدِیَکُمْ اِلَی الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُؤُسِکُمْ وَاَرْجُلَکُمْ اِلَی الْکَعْبَیْنِ۔

(جب نماز کے لئے کھڑے ہونے لگو تو اپنے چہروں اور کہنیوں تک ہاتھوں کو دھوؤ اور مسح کرو اپنے سروں کا اور پیروں کا گٹوں تک۔)

اس میں صاف پیروں کا ذکر سر کے بعد مسح کے تحت میں ہوا ہے اس سے پیروں کا مسح کیا جانا ہی ثابت ہوتا ہے جس پر فرقۂ شیعہ کا عمل ہے۔

غُسل

غسل جو واجب ہیں وہ کچھ مرد و عورت میں مشترک (Common) ہیں اور کچھ عورتوں کے ساتھ مخصوص ہیں۔

جو مشترک ہیں وہ جنابت، غسل اموات اور غسل مس میت ہے اور جو عورتوں سے خاص ہیں وہ حیض واستحاضہ ونفاس ہیں۔

ترکیب غسل کی سب میں ایک ہے کہ اگر حوض، نہر یا تالاب وغیرہ موجود ہو تو غسل ارتماسی ہوسکتا ہے کہ نیت کے ساتھ ایک دم غوطہ لگا لے نہیں تو ترتیبی کرے اور وہ اس طرح کہ نیت کے ساتھ پہلے سر و گردن دھوئے۔ پھر دایاں حصہ جسم کا، پھر بایاں حصہ، جو اعضاء وسط میں ہیں اور ایک ہیں جیسے ناف وغیرہ انھیں دونوں طرف کے دھونے میں ملا لے۔

ان میں سے ایک یعنی غسل مس میت کا وجوب فقہِ جعفری سے مخصوص ہے یعنی جب روح جسم سے نکلنے کے بعد جسم سرد ہوجائے اور ابھی غسل میت نہ ہوا ہو تو جو شخص اس دوران میں اس کو چھوئے، اس پر غسل واجب ہوگا۔ اسے فقہ اہلسنت میں واجب نہیں قرار دیا گیا حالانکہ احادیث میں وہاں بھی اس کا ذکر ہے۔

نماز کے دیگر شرائط

سترِ عورتین (دونوں شرمگاہوں کا چھپانا)

یہ شرط مرد اور عورت سب کے لئے ہے لیکن عورت کے لئے اس کے علاوہ، سوا چہرے اور دونوں ہاتھوں اور دونوں پیروں کے، باقی تمام جسم کا چھپانا بھی لازم ہے۔ مرد کے لئے یہ ضروری ہے کہ لباس خالص ریشم کا نہ ہو۔ نیز سونے کی کوئی چیز بطور زینت پہننا ناجائز ہے۔ عورت کے لئے یہ دونوں پابندیاں نہیں ہیں۔

بے شک ایک یہ پابندی سب کے لئے ہے کہ غیر ماکول اللحم (حرام گوشت جانور) کا کوئی جز لباس سے متصل نہ ہو اور لباس

عصبی نہ ہو۔

قبلہ

یعنی کعبہ کی سمت رُخ ہونا۔ یہ نماز فریضہ میں بلاشبہہ واجب ولازم ہے اوراس میں فرقِ اسلامیہ کے درمیان کوئی اختلاف بھی نہیں ہے۔

نماز واجب کے اقسام

نماز کی اصل شرع میں جو قسمیں واجب ہیں وہ حسب ذیل ہیں:

نماز پنجگانہ جو ہر شب وروز میں ہے اور ہفتے کی ایک نماز جمعہ اور نمازیں اور خاص حالات سے متعلق نمازِ آیات جو چاند گرہن، سورج گرہن اور زلزلہ وغیرہ میں ہوتی ہے۔

نمازِ جمعہ کا وجوب عینی اور اسی طرح نمازِ عیدین کا وجوب فقہِ جعفری کے رو سے مشروط ہے اس امر کے ساتھ کہ امام معصوم کی قیادت میں وہ ادا ہو۔

اگر امام معصوم کی قیادت میں نہیں ہے تو پھر نماز جمعہ کو ہمارے اکثر علماء واجب تخییر سمجھتے ہیں یعنی جمعہ کے دن اختیار ہے کہ ظہر ادا کرے یا جمعہ ادا کرے بشرطیکہ جماعت کے ساتھ ہو سکے ورنہ ظہر پڑھنا معیناً لازم ہے کیونکہ جمعہ فرادیٰ طور پر نہیں ہوسکتا۔

عیدین امام معصومؑ کی قیادت نہ ہونے کی صورت میں بس مستحب ہے۔ واجب نہیں ہے اور اُسے فرادیٰ اور جماعت دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے۔

ترکیب نماز

نماز کی ترکیب قرآن مجید میں تو ہے نہیں۔ پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ثابت ہوئی ہے۔ یعنی آپ نے نماز پڑھ کر دکھائی کہ اس طرح نماز پڑھا کرو اور رسولؐ کے عمل کو صحیح طور پر ان کے اہلبیتؑ طاہرین علیہم السلام جیسا بتا سکتے ہیں دوسرے اجنبی افراد نہیں بتا سکتے۔ چنانچہ شیعہ نماز کے اسی طریقہ پر قائم ہیں جو اہلبیتؑ طاہرین سے ثابت ہے جس کے امتیازی خصوصیات میں یہ ہے کہ نماز کے قیام میں ہاتھ کھلے رہیں۔ امام مالک جو مدینہ منوّرہ یعنی وطن رسولؐ کے باشندے ہونے کی وجہ سے سیرتِ رسولؐ سے بہ نسبت بیرونی علماء کے زیادہ واقف ہو سکتے ہیں وہ بھی اسی کے قائل تھے۔ چنانچہ اہلسنت میں سے بھی مالکی حضرات عموماً ہاتھ کھول کر نماز پڑھتے ہیں۔

اس کے علاوہ سورۂ حمد اور دوسرے سوروں کے ساتھ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ لازمی جزء ہے جسے بآوازِ بلند کہنا بہتر ہے۔ اس میں امام شافعی اور ان کے تابعین شیعوں سے متفق ہیں۔ اس کے علاوہ سجدے میں یہ پابندی ہے کہ زمین یا نباتاتِ زمین ہی پر سجدہ کیا جا سکتا ہے بشرطیکہ وہ کھانے اور پہننے کی چیز نہ ہو۔ آسانی کے لئے سجدہ گاہ رکھی جاتی ہے تا کہ کسی وقت دقّت نہ ہو۔ احادیث اہلسنت سے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سجدے کی جو کیفیت ثابت ہوتی ہے وہ اس کے مطابق ہے۔

حالت سفر میں ہر چار رکعت والی نماز دو رکعت ہوجائے گی، اسے قصر کہتے ہیں۔ قصر کا حکم قرآن مجید اور احادیث سے ثابت ہے۔ نیز حالتِ سفر میں روزے کو ترک کر کے کسی اور زمانہ میں اس کی قضا کا حکم بھی قرآن سے ثابت ہے جس پر فرقۂ شیعہ کا عمل ہے۔

نماز جماعت

نماز کا بجماعت ہونا افضل ہے اور اس کا ثواب عظیم ہے مگر شیعہ ہر کس و ناکس کی اقتداء میں نماز درست نہیں سمجھتے بلکہ جماعت کے لئے یہ ضروری ہے کہ جس شخص کے پیچھے نماز پڑھے وہ عادل ہو۔

''عادل'' کے معنی یہ ہیں کہ گناہ کبیرہ سے کلیۃً (پورے طور سے) پرہیز رکھتا ہو اور صغیرہ گناہ پر بھی اصرار نہ ہو (پھر نہ کرتا ہو) یعنی اگر ہوتا ہو تو اتفاق سے عمل میں آتا ہو۔ اس کا خوگر (Habitual) نہ ہو۔ اس کے علاوہ ایسی باتوں سے پرہیز کرے، جو عام طور پر انگشت نمائی (Objection) کا باعث ہوتی ہیں۔ یہ باتیں ''خلاف مروّت'' کہلاتی ہیں۔

نماز جماعت میں فقہ جعفری میں کچھ اور شرطیں بھی ہیں مثلاً یہ کہ امام اور ماموم کے بیچ میں کوئی دیوار وغیرہ حائل نہ ہو، ورنہ اقتداء درست نہ ہوگی بلکہ اس طرح کھڑا ہونا چاہئے کہ امام کو دیکھ رہا ہو یا ایسے شخص کو جو امام کا مشاہدہ کرتا ہے، اس کے علاوہ اگر امام اوپر اور ماموم نیچے ہو یعنی درمیان میں دو ایک سیڑھیاں ہوں تو نماز صحیح نہ ہوگی۔

روزہ

سال کے ایک مہینے میں جو ماہِ رمضان ہے شروع سے آخر تک ہر دن طلوع صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک روزہ واجب ہے جس میں مسلمانوں کے درمیان اصل حکم میں کوئی اختلاف نہیں ہے اور روزہ میں جن چیزوں کو ترک کرنا لازم ہے جنھیں ''مفطر اتِ صوم'' کہتے ہیں ان میں بھی کوئی خاص اختلاف نہیں ہے مگر فقہ جعفری میں صرف سورج کا نگاہ سے چھپ جانا افطار کے لئے کافی نہیں ہے بلکہ جب مشرق کی طرف کی سرخی دور ہوکر ذرا سیاہی چھا جائے اس وقت روزہ کھولنا چاہئے۔

قرآن مجید میں روزہ کی حد یہ بتائی گئی ہے کہ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی اللَّیْلِ۔ (یعنی) ''روزہ کو رات تک پورا کرو'' اور یہ کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ صرف سورج کے آنکھ سے چھپ جانے پر رات کا اطلاق کسی طرح نہیں ہوتا۔

زکوٰۃ

قرآن میں زکوٰۃ کا اکثر جگہ صلوٰۃ کے ساتھ ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ زکوٰۃ اس پر واجب ہوتی ہے جس کے پاس بقدر نصاب مال سال بھر رکھا رہے۔ اس کے احکام میں فرقِ اسلامیہ کے درمیان بظاہر کوئی خاص اختلاف نہیں ہے۔

خمس

حقوق مالیہ میں زکوٰۃ کے علاوہ خمس کے متعلق قرآنِ مجید میں نصِ صریح موجود ہے:

وَمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَیئٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَالرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبیٰ وَالْیَتٰمیٰ وَالْمَسَاکِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ۔

(جو کچھ بطور مالِ غنیمت تمہیں حاصل ہو، اس میں پانچواں حصہ خدا اور رسولؐ اور مخصوص صاحبانِ قرابت اور یتیموں، مسکینوں اور اپنے وطن سے دُور افتادہ اور پریشان حال آدمیوں کا ہے۔)

اس نص کے بعد یہ تو گنجائش نکل سکتی تھی کہ مَا غَنِمْتُمْ کی تشریح کے ماتحت ان اموال کی تعیین میں اختلاف ہوتا جن میں خمس واجب ہے۔ چنانچہ علمائے شیعہ کے درمیان اس بارے میں کسی حد تک اختلاف ہے مگر اصل حکم خمس کو تمام مسلمانوں میں متفق علیہ ہونا چاہئے تھا مگر صورت واقعہ یہ ہے کہ صرف فقہ جعفری کے پیروؤں میں یہ حکم قرآنی آج تک باقی سمجھا گیا ہے اور شریعت کے پابند افراد اس پر عامل ہیں۔ باقی فقہ کے دوسرے مکاتب خیال میں خمس کو احکام شریعت سے خارج کردیا گیا ہے جس کا کوئی جواز از روئے قرآن نہیں نکلتا۔

یہ ایک اور حیرت ناک بات ہے کہ سادات آل رسولؐ کے لئے دو خصوصی حکم از روئے شریعت ثابت ہیں۔ ایک یہ کہ زکوٰۃ غیر سادات کی ان پر حرام ہے اور دوسرے یہ کہ خمس میں ان کا حق ہے۔ پہلا حکم ظاہری طور پر قرآن میں موجود نہیں ہے بلکہ ''سنت'' سے ثابت ہے اور دوسرا قرآن مجید میں موجود ہے لیکن شیعوں کو چھوڑ کر دوسرے مسلمانوں میں پہلا حکم تو مسلماً باقی رہا جو سادات کے زکوٰۃ سے ممنوع ہونے کا تھا اور دوسرا جو سادات کو خمس کے ملنے سے متعلق تھا، فقہِ اسلامی سے خارج کردیا گیا **فَاعْتَبِرُوْا یَا اُوْلِی الْاَبْصَارِ۔**

حج

زندگی میں ایک بار بشرطِ استطاعت حج ہر مسلمان پر فریضہٗ لازم ہے جس پر عام فرقِ اسلامیہ کے ساتھ فرقۂ شیعہ کا بھی ایمان ہے۔ مگر خاص مسئلہ جواز روئے قرآن ثابت ہے وہ یہ ہے کہ ان لوگوں کے لئے جو خانۂ کعبہ کے باشندے نہ ہوں، دور سے جائیں ''حج تمتّع'' لازم ہے یعنی پہلے عمرہ کا احرام باندھیں اور پھر عمرہ کے احکام پورے کرنے کے بعد اس احرام کو ختم کردیں اور دوبارہ آٹھ ذی الحجہ کو حج کا احرام باندھ کر عرفات جائیں اور مناسک حج بجا لائیں۔ اسے فرقۂ شیعہ کے علاوہ دوسرے مسلمان ممنوع تو نہیں سمجھتے مگر اسے ضروری ولازمی نہیں جانتے۔ شیعہ بمتابعتِ قرآن باہر سے جانے والوں کے لئے اس کو تعیّن کے ساتھ لازم سمجھتے ہیں۔

اس کے علاوہ احرام کی کچھ پابندیاں مرد کے لئے فقہِ جعفری میں زیادہ ہیں مثلاً بحالت رفتار سر پر سایہ کرنا درست نہیں ہے۔

(بقیہ۔۔۔۔صفحہ ۵۲ پر)

(۱۶۷)

القصہ اور[1] غیر ہوا سیدہؑ کا حال
بے جان کے لئے نہ گیا صدمہ و ملال
سچ ہے کہ اس سفر کا کچھ اچھا نہ تھا مآل
دن سترہ کٹے تو کیا خود بھی انتقال
بیتاب روز و شب تھیں یہ شہؑ کی جدائی سے
اب اس طرح سے مل گئیں پھر اپنے بھائی سے

(۱۶۸)

قم میں مزار پاک بنایا بہ اہتمام
جاتے ہیں آج تک تو زیارت کو خاص و عام
وہ خاک اڑا رہے ہیں کہ جو خاص تھے غلام
کہتی تھیں عورتیں بھی یہ لے کر انہیں کا نام
موت آئی جس سے دل پہ اٹھائے وہ جبر بھی
دیکھی نہ ہائے آنکھ سے بھائی کی قبر بھی

(۱۶۹)

پر یاں پہ یاد آ گیا زینبؑ کا حال زار
ایسی مصیبتوں میں کیا شکر کردگار
سو جان سے تھیں اپنے برادر پہ گو نثار
لیکن گلے پہ بھائی کے دیکھی چھری کی دھار
بھائی کے قتل ہونے کی اعدا نے عید کی
رکھی گئی لبوں پہ چھڑی بھی یزید کی

(۱۷۰)

امیدؔ! حق سے مانگ دعا، ختم کر یہ حال
دل سب کے فرط رنج و الم سے ہیں پائمال
پھر[2] ہاتھ اٹھا کے اپنے یہ خالق سے کر سوال
روضے پہ اب بلا لے تجھے فاطمہؑ کا لال
دونوں جہاں میں خوب بڑھے آبرو مری
اس کے سوا نہیں ہے کوئی آرزو مری

(۱) سن کر یہ حال (۲) پر

بقیہ۔۔۔۔۔۔۔۔مذہب شیعہ ایک نظر میں

یہ سب پابندیاں رسولؐ و آل رسولؐ کے احکام کی بناء پر ثابت ہیں جن پر عمل کرنا شیعوں کے یہاں ضروری ہے۔

جہاد

یعنی نصرتِ دین میں تلوار یا دوسرے خوں ریز اسلحہ کے ذریعہ سے مقابلہ کرنا۔ اس میں پیش قدمی کرنا شیعی فقہ کی رو سے بغیر معصومؑ کی سربراہی یا اجازت خاص کے نہیں ہوسکتی اس لئے کہ جان دینا شہادت اسی وقت قرار پاسکتا ہے جب فی سبیل اللہ ہو اور فی سبیل اللہ یعنی رضائے الٰہی کے صحیح معیار کی شناخت یقینی طور پر معصومؑ ہی کی نگاہ کرسکتی ہے۔ ہاں جب کوئی حملہ آور ہو تو دفاعی طور پر جنگ کرنا بہر صورت درست ہے۔

والسلام۔۔۔۔۔۔۔علی نقی عفی عنہ، ۳ر جمادی الثانی ۱۳۸۸ھ، علی گڑھ

بقیہ۔۔۔۔اسلام اور حقوقِ بشر

عبادتوں میں سب سے بڑی عبادت نماز ہے، جس کے لئے ارشاد رسولؐ ہے کہ اگر نماز قبول ہے تو سارے اعمال قبول ہیں، مگر دوسری طرف حکم شریعت ہے کہ اگر کوئی نماز پڑھ رہا ہے اور نماز پڑھنے میں نظر پڑ گئی کہ کوئی نابینا گڑھے میں گرنے جا رہا ہے تو نماز توڑنا واجب ہے۔ اسی طرح اگر کسی کی آواز سن لے کہ میں ڈوب رہا ہوں مجھے بچالو تو یہ ڈوبنے والا چاہے سخت ترین کافر ہی کیوں نہ ہو، نماز کا توڑنا واجب ہوجائے گا۔ اب نماز پڑھنا ناجائز ہے اور اس کافر کو بچانا واجب ہے۔ دوسرے لفظوں میں اب نماز عبادت نہیں، اب اس کافر کو بچانا عبادت بن جائے گا۔ یہ ہے اسلام اور یہ ہے اسلام کا آئین رحمت۔

(بشکریہ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' (اردو) ۸ر اپریل ۲۰۱۱ء)　(جاری)